

کیا کافر کہنا توہین ہے؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

کوئی انسان خود اپنی مرضی اور خواہش سے دنیا میں پیدا نہیں ہوا ہے، اور نہ کوئی شخص اپنی خواہش اور مرضی سے دنیا سے واپس ہوتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی اور طاقت ہے جو انسان کو دنیا میں بھیجتی ہے، اور ایک مقررہ وقت کے بعد اسے واپس بلا لیتی ہے، یہ کون سی طاقت ہے؟۔ اس سلسلے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ سب اس فطرت کی کرشمہ سازی ہے جو پوری کائنات میں جاری و ساری ہے، جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں اور طحود ہر یہ ہیں، کائنات کے وجود اور اس کے بقاء کے سلسلے میں ان کا یہی نقطہ نظر ہے، دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ فطرت کو پھر بھی ایک خالق کی ضرورت ہے، جس نے مختلف چیزوں میں الگ الگ صلاحیتیں رکھی ہیں، ایسا کیوں ہوا کہ آگ جلاتی ہے اور پانی ٹھنڈک دیتا ہے، ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ آگ ٹھنڈی ہوتی اور پانی گرم ہوتا، گلاب کی فطرت میں سرفی اور موسیٰ کی فطرت میں سفیدی رکھی گئی، بکری ایک مسکین طبیعت جانور ہے اور شیر درندہ صفت، یہ اختلاف فطرت کیوں ہے؟ پھر اگر زندگی اور موت فطرت کے تابع ہوتی ہے، ہر شخص کو ایک متعین وقت پر ہی موت آتی، ہر شخص ایک مقررہ وقت پر ہی باپ بنتا، لیکن ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس قانون فطرت کا بھی کوئی خالق ہے، جس کے سامنے فطرت سر تسلیم خم کئے ہوئی ہے، اور پل پل اس کے حکم کی تابعدار ہے، اسی ان دیکھے وجود کا نام ”خدا“ ہے، خدا کے ماننے والوں کے مقابلہ، خدا کا انکار کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ معمولی اور انگلیوں پر قابل شمار ہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا یقین بجائے خود فطرت انسانی کا ایک حصہ ہے، دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں، قریب قریب یہ ان سب کے درمیان قدر مشترک ہے۔

جو لوگ خدا پر یقین رکھتے ہیں وہ اس بات کو بھی ماننے پر مجبور ہیں کہ ان کو اسی طریقہ کو اپنانا چاہئے جو خدا کی طرف سے ان کے لئے مقرر کیا گیا ہو، کیوں کہ جو کسی مشین کو بناتا اور وجود میں لاتا ہے اسی کی ہدایت کے مطابق وہ چیز استعمال بھی کی جاتی ہے، خدا کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی کا نام ”دین“ ہے اور اسی کو لوگ ”مذہب“ سے بھی تعبیر

کرتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دو متضاد چیزیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دن و رات ایک ہی ہے، روشنی اور اندھیرا جداگانہ حقیقتیں نہیں ہیں، بیٹھا اور نمکین ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں، تو یہ بات یقیناً سچائی کے خلاف ہوگی، یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کو بیٹھا پسند ہو تو نمکین پسند کرنے والوں کو برا بھلا نہ کہے، اگر کسی کو اندھیرا بھاتا ہو تو وہ روشنی پسند کرنے والوں سے الجھے نہیں، لیکن یہ کہنا کہ روشنی اور اندھیرا دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے، یقیناً ایک خلاف عقل اور خلاف واقعہ بات ہوگی۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اصل دین ایک ہی ہے، اسی دین کو لے کر پہلے انسان حضرت آدمؑ اس کائنات میں اترے، اسی کی دعوت حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ نے دی، اسی نعرہ حق کو حضرت موسیٰؑ اور انبیاء نبی اسرائیل نے اپنے اپنے عہد میں بلند فرمایا، ہر قوم اور ہر زبان میں اسی صراطِ مستقیم کی سوغات لے کر انبیاء و رسول پہنچے، جس کا سلسلہ آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا، ان اللہین عند اللہ الاسلام (آن عمران: ۱۹)۔ اس لئے اسلام وحدتِ دین کا قائل ہے نہ کہ وحدتِ ادیان کا، خدا نے کھانے کے لئے الگ تالی بنائی ہے اور سانس لینے کے لئے الگ نالی، اگر کوئی شخص سانس کی نالی میں کھانے کا لقمہ رکھ دے، تو اس کی جان کے لالے پڑ جائیں گے، اسی طرح نجات کی طرف لے جانے والا راستہ ایک ہی ہے، یہ کہنا کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہی ہے، بظاہر ایک اچھا نعرہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ تمام دواؤں کا ایک ہی اثر ہوتا ہے۔

جو لوگ مذاہب کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں، وہ دراصل مذہب کے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہیں، جو لوگ خدا کو مانتے ہوں، جو تین خداؤں پر یقین رکھتے ہوں، اور جو تین کروڑ خداؤں کے سامنے سر جھکاتے ہوں، یہ سب برابر کیسے ہو سکتے ہیں، اور کیوں کر سوچا جاسکتا ہے کہ بیک وقت یہ تمام باتیں درست ہوں گی؟ جن لوگوں نے خدا کی طاقت کو مختلف لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، اور جن کے نزدیک خدا قادرِ مطلق ہے، اس کی طاقت میں کوئی شریک و سہم نہیں، یہ دونوں سچائی پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے یہ کہنا کہ تمام مذاہب حق ہیں، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہی ہے، اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

ایسی صورت میں ہر مذہب کو اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے لئے کوئی نہ کوئی تعبیر اختیار کرنی ہوتی ہے، اس تعبیر کے لئے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جو دوسرے مذہب پر یقین رکھنے والے لوگ ہیں، ان کے لئے اہانت آمیز لفظ استعمال کیا جائے، جیسے ہندو مذہب کی بعض کتابوں میں غیر ہندو کے لئے لیچھ (تاپاک) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دوسروں کے لئے اہانت آمیز تعبیر ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک تعبیر اس مذہب کے ماننے والوں کے لئے ہو اور ایک اس کے نہ ماننے والوں کے لئے، جس کا مقصد ان کے نقطہ نظر کا اظہار ہو، اکثر آسمانی کتب میں

یہی صورت اختیار کی گئی ہے، جیسے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کو یہوداہ کی نسبت سے یہودی اور حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو حضرت عیسیٰ کی نسبت سے عیسائی کہا گیا اور تورات و انجیل میں اس زمانے کے اس دین حق پر ایمان نہ رکھنے والوں کے لئے ”کافر“ کا لفظ استعمال کیا گیا اور اس انکار کو ”کفر“ کہا گیا۔

یہی تعبیر آخری، مکمل اور محفوظ کتاب ہدایت قرآن مجید میں بھی اختیار کی گئی ہے، جو لوگ اس کی تعلیمات پر یقین رکھنے والے ہیں ان کو ”مسلم“ یا ”مومن“ کہا گیا، یعنی احکام اسلام کو ماننے والا اور اسلامی تعلیمات پر یقین رکھنے والا، اور اس کے انکار کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں دین اسلام سے انحراف اور اس انحراف پر یقین رکھنے والوں کے لئے مختلف صیغوں میں کفر اور کافر کا لفظ ۴۹۴ بار استعمال کیا گیا ہے مگر یہ کوئی نئی تعبیر نہیں ہے۔

عربی زبان میں کفر کے اصل معنی چھپانے کے آتے ہیں، اسی لئے رات کے لئے بھی کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے پردہ ظلمت میں لوگوں کو چھپاتی ہے، کاشکار چوں کہ بیچ کو زمین کی تہ میں چھپا دیتا ہے، اس لئے عربی زبان میں کاشکار کو بھی بعض اوقات کافر سے تعبیر کیا جاتا ہے، (مفردات القرآن: ۵۵۹/۲)۔ غالباً اسی مناسبت سے یہ لفظ سمندر اور اندھیرے بادل کے لئے بھی استعمال ہوا ہے (القاموس المحیط ۶۰۵)۔ کہ سمندر اپنی تہوں میں کتنی ہی جمادات و نباتات کو چھپائے ہوئے ہے، اور گننا بادل دھوپ اور فضا میں پائی جانے والی چیزوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے، جو شخص ناشکر اور جذبہ شکر سے عاری ہو، وہ گویا اپنے حسن کی طرف سے آنے والی نعمت کو پردہ خفا میں رکھ دیتا ہے۔ اس لئے ناشکری کے لئے بھی کفر کی اصطلاح استعمال ہوئی، خود قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (مفردات القرآن: ۵۵۹/۲)

کسی بھی زبان میں ایک لفظ کا جو حقیقی معنی ہوتا ہے وہ براہ راست اور بالواسطہ مناسبتوں کی وجہ سے نئے نئے پیکر میں ڈھلتا رہتا ہے، ناشکری میں نعمتوں سے غیور و انکار کا معنی پایا جاتا تھا، اس مناسبت سے کافر کا معنی مطلق انکار کرنے والا قرار پایا، اور جو لوگ اسلامی عقیدہ اور نظام حیات کو نہ مانتے ہوں، ان کے لئے کافر اور ان کی انکاری فکر کے لئے کفر کا لفظ استعمال ہونے لگا، واعظم الکفر حجود الوحداۃ اور الشریعة او الذبوة (مفردات القرآن: ۵۵۹/۲)۔ قرآن مجید میں بھی غیر مسلموں کے لئے کافر کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا، علماۓ یہود سے کہا گیا کہ تم اسلام کے اولین منکر بن جاؤ: **وَلَا تَكُونُوا اَوَّلَ كَاٰفِرِيْهِ** (البقرة: ۴۱)۔ قرآن نے ایک موقع حج کو فرض قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو اس کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں: **مَنْ كَفَرَ لَانَ اللّٰهُ غَنِیْ عَنِ الْعَالَمِیْنَ** (آن عمران: ۹۷) مشرکین مکہ آخرت کے جزاء و سزا کے منکر تھے، چنانچہ ان کے انکار آخرت کو قرآن میں اس طرح تعبیر کیا گیا **وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَاٰفِرُوْنَ** (یوسف: ۲۷)

یہاں کفر کے معنی انکار کرنے اور تسلیم نہ کرنے کے ہی ہیں، قرآن نے قیامت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ اہل

دورخ جب شیطان پر لعنت ملامت کریں گے، تو شیطان نہایت ڈھٹائی سے کہے گا کہ تم نے جو مجھ کو خدا کا شریک ٹھہرایا تھا، میں اس کا انکار کرتا ہوں، اس انکار کو قرآن نے کفر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: انسی کفروت بما اشرکتون من قبل (ابراہیم: ۲۲)۔ اسی طرح حضرت موسیٰ پر ایمان لانے اور سحر کا انکار کرنے والے کے شرک سے منکر ہونے کو لغوی معنی میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے: ولما جاءهم الحق قالوا هذا سحر وانا به کافرون (الزخرف: ۳۰) دیکھئے یہاں تو حید کے انکار کو نہیں بلکہ شرک کے انکار کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، گویا لغت کی رو سے کفر کے معنی چھپانے، ناشکری کرنے، انکار کرنے اور نہ ماننے کے ہوئے۔

قرآن نے جو اسلام نہ قبول کرنے والوں کو کافر کہا ہے، وہ اسی معنی میں ہے کہ یہ شخص اسلامی تعلیمات کو انکار کرتا ہے، گویا کافر کے معنی غیر مسلم کے ہوئے، جیسے کوئی شخص ہندو نہ ہو تو اس کو غیر ہندو، اور عیسائی نہ ہو تو اس کو غیر عیسائی کہا جاتا ہے، اسی طرح جو شخص اسلام کو نہ مانتا ہو اسے غیر مسلم کہا جائے گا، عربی زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ”کافر“ کا لفظ ہے، یعنی ایسا شخص جو خدا کو ایک نہ مانتا ہو، اور اسلامی افکار و معتقدات کا قائل نہ ہو، اس میں نہ کوئی خلاف واقعہ بات ہے، نہ کسی کی اہانت ہے، نہ نفرت و عداوت کا اظہار ہے، اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان زبردستی کہتے، جیسا کہ ہمارے ہندو بھائی ان لوگوں کو بھی ہندو کہنے پر مصر ہیں، جو پوری وضاحت و صراحت اور اصرار کے ساتھ اپنے ہندو ہونے کا انکار کرتے ہیں، تو یہ یقیناً ان کی توہین کی بات ہوتی، پس حقیقت یہ ہے کہ اگر اس لفظ کے معنی پر غور کیا جائے، تو جن لوگوں کے لئے یہ تعبیر اختیار کی جا رہی ہے، ان کے لئے یہ تعبیر محض ان کے نقطہ نظر کا اظہار ہے، نہ کہ یہ عداوت و نفرت پر ابھارنے والی تعبیر ہے۔ پھر غور کیجئے کہ قرآن مجید میں زیادہ تر اہل مکہ کافر کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے، اگر اس تعبیر میں توہین اور تمسخر مقصود ہوتا، تو عرب جو اس زبان کے رمز آشنا اور ذوق ادب کے حامل تھے، وہ اس پر معترض ہوتے۔ لیکن اہل مکہ کی طرف سے کوئی ایسا احتجاج سامنے نہیں آیا، بلکہ خود غیر مسلم اپنے کافر ہونے کا اقرار و اعتراف کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ تم جو بیچارے لے کر آئے ہو، ہم اس سے کفر کرتے ہیں: انا بما ارسلتم به کافرون (الزخرف: ۲۳)

عجب بات ہے کہ اس وقت اسلام کے خلاف مغربی میڈیا اور سنگھ پر یوار نے جو بے جا شور شروع کر رکھی ہے، وہ ایسی تیز آندھی کی طرح ہے، کہ اس میں اڑنے والے خس و خاشاک کو بھی لوگوں نے گل و ٹمر سمجھ رکھا ہے، اور دنیا آنکھ بند کر کے اس پر آمین کہتی جاتی ہے، سنگھ پر یوار کے لوگ تو اپنے تعصب اور جہالت میں اس قسم کی بے معنی باتیں کہتے ہی رہتے ہیں، پچھلے دنوں بمبئی کی ایک عدالت کا جو فیصلہ سامنے آیا، وہ نہایت حیرت کا باعث ہے، کہ اس لفظ کے اصل معنی و مقصود کو سمجھے اور اس کی مناسب تحقیق کئے بغیر اس کو توہین آمیز اور نفرت انگیز تعبیر قرار دے دیا گیا، کسی مسلمان کو کافر کہنا تو یقیناً اس کی توہین ہے۔ کیوں کہ یہ اس کے دعویٰ اسلام کو جھٹلانے کے مترادف ہے، لیکن جو شخص مسلمان نہ ہو، اس کو کافر کہنا ایک سچائی کا اظہار ہے نہ کہ توہین۔

☆☆